# کس قانون کے محافظ کو کیسا ہونا چاہئے؟

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن نقوی صاحب قبلہ

قانون کی صحت اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک ذمہ دار قانون نفاذ قانون میں غلطی نہ کرے۔ اگر قانون صحیح ودرست ہے لیکن جس کے سپرد یہ قانون کیا گیا وہ اس قانون پر عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں غلطی کرے تو مفاد قانون پر اثر پڑے گا کسی بھی نظام کے مرتب کا مقصد اپنے منشاء کے مطابق عمل کرانا ہوتا ہے اور جن لوگوں کو وہ ذمہ دار بناتا ہے پہلے ان کے صلاحیت کی جانچ پڑتال کر لیتا ہے سیرت کا مطالعہ کر لیتا ہے، کردار کی پختگی کا خوب اچھی طرح جائزہ لے لیتا ہے۔ تاکہ غلطیاں مقصودِ نظام کو منتشر نہ کر سکیں جہاں ذرا بھی وہ ذمہ دار قانون کی زندگی میں کوئی موہوم سا داغ بھی دیکھتا ہے۔ وہاں اپنے قانون کو اس کے ہاتھ سے نکال لیتا ہے کیوں کہ حامل قانون کی غلطیوں سے ایسے ایسے عظیم نقصان ہوجاتے ہیں جو ناقابل تلافی بن جاتے ہیں۔

ذمہ دار قانون کی غلطی سے پورا نظام غلط تصور کیا جانے لگتا ہے اگر حامل قانون نے غلطی کی اور اپنی اس غلطی کو عملی صورت میں پیش کر دیا اس کے اقوال کو قانون کی زبان اور اس کے اعمال کو آئینہ منشائے مقنن اور اس کے کردار کو مطابق قانون تصور کیا جاتا ہے لہٰذا قہری طور پر اس کی غلطی بھی جزو قانون اسی طرح سمجھی جائے گی جس طرح اس کے کارہائے نمایاں عمدگی قانون کا ثبوت سمجھے جاتے ہیں لہٰذا اس کی غلطی قانون کی غلطی بن جائے گی اس کے بعد پھر دو عظیم الشان نقصان اور بھی ہوں گے ایک تو یہ کہ اگر کسی کو قانون کی صحت کا علم ہو گیا اور حامل قانون کی غلطی کا احساس ہو گیا تو مقنن کی نگاہ انتخاب ناقابل اعتبار ثابت ہوگی۔

کیونکہ جب اس نے اپنے قانون کا ایسے شخص کو ذمہ دار بنایا جو غلطیاں کرتا ہے تو یا تو خود مقنن ہی کا منشا یہ تھا کہ قانون کی وہ صحیح ہیئت برقرار نہ رہے؟ تو یہ ناممکن ہے ہر قانون بنانے والے کا منشاء بتقاضائے فطرت یہی ہوتا ہے کہ اس کے قانون پر عمل صحیح سے صحیح تر ہو لہٰذا ایسے شخص کو جو غلطیاں کرتا ہے قانون کا ذمہ دار بنانا کیوں کر درست ہے؟ یہ تو نگاہ انتخاب مقنن کی فاش غلطی ہوگی دوسرے یہ کہ اگر ذمہ دار قانون غلطی کرے گا تو مفاد قانون نقش برآب ہو جائے گا اس لئے کہ قانون بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس قانون پر عمل کرنے سے اغلاط سے تحفظ ہو، اعمال میں صحت، اور افعال میں میانہ روی پیدا ہو لیکن جب حامل قانون خود غلطی کرے گا تو ظاہر ہے کہ ہر ذمہ دار قانون تصور کر کے اس کی غلطی کو صحت سمجھنے پر مجبور ہوں گے جس کے بعد اس غلطی پر عمل کرنا بھی یقینی ہے تو قانون کا وہ مقصد کہ اعمال وافعال میں صحت آئے مفقود ہو کر بجائے صحت، بصورت نتیجہ مقصدِ قانون اغلاط میں مبتلا کرنا ہوگا۔ اور یہ منشائے قانون و مقنن ہرگز نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ حاصل قانون اور ذمہ دارِ نظام کے کردار کو بے داغ ہونا چاہئے جس طرح اصل قانون میں غلطی مقاصد تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہے، اسی طرح مقنن و ذمہ دار قانون کی غلطی بھی سنگ راہ بن جاتی ہے جس طرح مقنن کی ذرا سی بھی غلطی پورے نظام انسانیت کو درہم برہم کر کے ہلاکت میں مبتلا کر سکتی ہے، اسی طرح ذمہ دار قانون کی غلطی بھی پورے شیرازۂ انسانیت کو منتشر کر کے آغوش فنا میں دے سکتی ہے۔

اور یہی وجوہ ہیں جو گھروں میں ناچاقی، شہروں میں

ابتری، ملک میں خانہ جنگیاں ہوتی ہیں جہاں کبھی فطرت کے بتائے ہوئے اصول زندگی اصول تمدن قوانین سیاست مدن میں غلطی ہوئی، وہاں انسانوں کا آپس میں دست وگریباں ہونا لازمی ہوتا ہے خالق فطرت نے کچھ اصولِ معاشرت انسانی کی زندگی سے وابستہ رکھے ہیں جن پر عمل کرنے کا واحد ذمہ دار خود انسان ہے جہاں ان اصولوں پر عمل کرنے میں کوئی ایک قدم بھی غیر اعتدال پسند اٹھا وہاں ہنگامہ آرائی برپا ہوگئی۔

اگر تاریخ معاشرت پر نظر کی جائے تو اتنے اختلافات ملیں گے جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب انسان اجتماعی زندگی سے بالکل ہی نابلد تھا یہ انسان کی تہذیب کے بچپنے کا دور تھا اس کے بعد ہی انسان کو اپنی ضروریات کی بنا پر اشتراک عمل پر مجبور ہونا پڑا جس کے بعد اجتماعی زندگی کی داغ بیل پڑی یہیں سے خودساختہ قوانین جماعت مرتب ہونے لگے۔ ایک ایک گروہ ایک ایک قبیلہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور ہر گروہ کا ایک سردار سردار قبیلہ کے نام سے موسوم ہوگیا یہ اجتماعی زندگی کا آغاز تھا جو بھی سردار بنایا گیا اس کے ہاتھ میں قبیلہ کے تمام داخلی وخارجی امور دے دیئے گئے لیکن جو سردار بنا وہ اپنے کو کوئی مافوق شخصیت تصور کرنے لگا جس کے بعد وہ قوانین جو سردار قبیلہ کے سپرد تھے ان میں جائز و ناجائز تصرفات ہونے لگے، مقربین بارگاہ اور مقتدرین کے لئے خاص سہولتیں برتی جانے لگیں جس سے اس شخصی اقتدار کی صورت میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں جس نے آگے بڑھ کر شہنشاہیت کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن بعد کو اس میں بھی وہی خامیاں پیدا ہونے لگیں۔

اب سے چودہ سو سال قبل تک شخصی اقتدار اور ذاتی حکومتوں کا رواج رہا۔ چودہ سو سال قبل پہلے انسان نے اپنے نزدیک ایک بہت ہی بہترین اصول ایجاد کیا اور وہ ہے جمہوریت۔ جمہوریت بھی شخصیت ہی کی طرح کی تھی ایک مرتبہ انتخاب کے بعد مدت العمر حکومت کا مستحق بنا دینا۔ لیکن جلد ہی اس میں بھی وہی ذمہ دار قانون کی خاص نمایاں غلطیاں تھیں جنھوں نے فتوحات کی ہوس کی صورت اختیار کی جس کے بعد شورشیں اس حد کو پہنچ گئیں کہ مفکران ملک کو اس جمہوریت کی صورت بدل دینا پڑی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جمہوریت پھر مٹ گئی۔ اور وہی پرانی شخصی حکومتوں کا دور دورہ ہوگیا ایک طویل عرصے تک بزور شمشیر یہ حکومتیں چلتی رہیں ترقی بھی ہوئی تنزلی بھی ہوئی امن بھی رہا، جنگ بھی ہوئی، یہاں تک کہ پھر اسی پرانے خیال نے سر ابھارا اور جمہوری نظام رائج ہوگیا اور آج نہ معلوم کون کون سے سیکڑوں اصول مرتب ہوتے ہیں لیکن ناکامیاب ہوکر ٹوٹ جاتے ہیں اور پھر دوسرے اصول جنم لیتے ہیں۔

کچھ تو انھیں اصولوں کی خامیاں ہیں لیکن زیادہ تر اصول وقوانین کے ذمہ داروں کی خطائیں ہیں اس جمہوری دور میں بعض قانون بہت ہی اچھے اور کامیاب ہوجاتے ہیں لیکن پھر وہی قانون مہمل اور ناکام بن جاتے ہیں اس میں قانون کی خرابی کے ساتھ ساتھ قانون کے محافظوں کا بھی ہاتھ ہوتا ہے جب جمہور نے ہم کو قانون کا ذمہ دار بنا دیا تو اب ہم قانون کو اپنی ملکیت تصور کرنے لگتے ہیں جس کے بعد ایسے ایسے ناشائستہ قدم اٹھاتے ہیں کہ آخر میں وہ قانون ہی مردہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ اصل راز یہ ہے کہ ہم قانون کا محافظ ایسے کو بنا دیتے ہیں جو مادیات میں گھرا ہوا ہے دماغ میں شہنشاہیت بسی ہوئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ خود فائدہ اٹھانے کا خبط ہے۔ اپنے مقربین خاندان والے، ملنے والے، شہر والے، افراد کے لئے قانون میں سہولتیں برتی جاتی ہیں جب دوسرے لوگ دیکھتے ہیں کہ مستحق ہونے کے باوجود بھی ہم محروم ہیں تو وہ کسی ایسے کو منتخب کرتے ہیں جس سے ان کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔

لہٰذا ملک میں شورشیں ہونے لگتی ہیں قتل وخوں ریزی، غارت گری کی وارداتیں ہوتی ہیں یہ صرف محافظ قانون کی غلطی کے ہیبت ناک نتائج ہوتے ہیں لیکن اگر یہی محافظ قانون اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرے نفسانی خواہشات، اور بے جان نظریات سے باز آکر ایک راست محافظ ثابت ہو، تو اس کے

ہر قول و فعل میں ایسا وزن پیدا ہو جائے جس کے بعد پھر کسی اختلاف کی گنجائش ہی پیدا نہ ہو اور اس کے بعد بھی جو مخالفت کریں گے وہ جرائم پیشہ جماعت، یا حیوانوں کے کسی ریوڑ میں شمار کئے جائیں گے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ محافظ قانون کو اپنی پوری ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے قانون کے نفاذ کے معاملہ میں تمام ذاتی علائق کو منقطع کردینا چاہئے جب محافظ ایسا ہوگا تب منشائے مقنن کے مطابق عمل ہو سکے گا۔

## معیار عقل اور محافظ قانون کی اصول پروری کی اہمیت

گناہ اور ثواب کا کیا معیار ہے؟ ہر شئے کو عقل جس حد تک برا سمجھے وہ اسی حد تک گناہ ہے اور جس حد تک عقل اس کو اچھا سمجھے اسی حد تک اس کے کرنے میں ثواب ہے عقل کا کوئی حکم مخالف حکم خدا نہیں ہوسکتا۔ یعنی جن چیزوں کو عقل جس حد تک اچھا سمجھتی ہے اسی حد تک اس کی اچھائی کا حکم احکام خدا سے بھی معلوم ہوتا ہے جس شئے کی برائی عقل بتاتی ہے۔ اسی معیار پر برائی خدا نے بھی بتائی ہے تو گناہ اس فعل کا کرنا ہے جو مشیت الٰہی کے خلاف ہو، اور ثواب ہر اس فعل کے کرنے میں ہے جو مشیت خدا کے مطابق ہو۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو اہل دنیا مفید اور بہتر تصور کرتے ہیں لیکن بہ تقاضائے حکم خدا وہ بری ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو اہل دنیا برا اور مضرت رساں تصور کرتے ہیں لیکن باعتبار حکم خدا وہ اچھی ہیں؟

یہ تو انسانی خواہش اور حکم عقل میں اشتباہ کا نتیجہ ہے بے شک بہت سی چیزیں جن کے صلاح و فساد تک ابھی عام افراد کی ناقص عقل نہیں پہنچ سکی ہے تو ایسی جگہ عقل براہ راست کچھ حکم لگاتی ہی نہیں بلکہ یہ کہتی ہے کہ خالق چونکہ علیم و حکیم ہے اور اس کی طرف کا نمائندہ، رسول، غلطی سے معصوم ہے، لہٰذا جو وہ تعلیم دے وہ ضرور کسی مصلحت پر مبنی ہے، لہٰذا تعمیل اس کی واجب ہے اس کے علاوہ نفسانی خواہشات کے جو بات مطابق ہوتی ہے اسے غلط اندیش انسان حکم عقل تصور کرکے اچھائی یا برائی کو عقل کا حکم کہہ دیتا ہے ورنہ اگر احساسات نفسانیہ اور جذبات سے بری ہوکر دیکھا جائے تو عندالعقل وہی فعل اچھا ہوگا جو عنداللہ اچھا ہے اور ہر وہ فعل جو عنداللہ برا ہے عندالعقل بھی برا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ہر فعل اچھا جب ہی کہا جاسکتا ہے جب عنداللہ اچھا ہو اور ہر فعل برا جب ہی کہا جاسکتا ہے جب عنداللہ برا ہو، اسے عقل کبھی خود سمجھ لیتی ہے اور کبھی بتوسط بیان رسولؐ، اور ہر اس فعل پر ثواب ملے گا جو عنداللہ محبوب ہو اور ہر وہ فعل مستحق عقاب ہوگا جو عنداللہ مبغوض ہو، یعنی وہ فعل لائق ثواب ہوگا جو مرضئ الٰہی کے مطابق ہو، اور ہر وہ فعل لائق عقاب ہوگا جو خلاف مرضی الٰہی ہو۔

اب اگر اس محافظ قانون کے کردار پر غور کیا جائے جو دائمی اور ہمہ گیر قانون کا محافظ بن کر آیا تھا تو اس کا ہر ہر فعل اور ہر ہر قول مطابق مرضی الٰہی ملے گا۔ اگر ایسے محافظ قانون کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا بے داغ دامن عمل ملے گا جس کی مثال و نظیر نہیں مل سکتی جس میں کہیں ہلکا سا جھول اور کہیں خفیف سی بھی لچک نہیں دکھائی جاسکتی، چونکہ یہ بات بہت ہی وسیع ہے لہٰذا میں مختصراً بطور مثال ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جس سے رسول اسلام کی بے داغ سیرت کی پختگی اور اصول پروری کا ہلکا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ۔ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُّمْ۔ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔"

"اے رسولؐ کافروں سے کہہ دیجئے کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں عبادت نہیں کرتا اور جس کی عبادت میں کرتا ہوں اس کی عبادت تم نہیں کرتے اور جن کو تم پوجتے ہو، ان کو میں کبھی پوجنے کا نہیں اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت کرنے والے نہیں۔ تمہارے لئے تمہارا دین، اور میرے لئے میرا دین۔ (پارہ ۳۰، سورۂ کافرون)

یہ سورہ اس وقت نازل ہوا جب کفار نے اسلام کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کی ترقی پر نظر کی تو سوچا کہ کیوں نہ رسولؐ

سے ایک سمجھوتا کرلیا جائے جس میں اپنی عزت بھی برقرار رہے اور پھر اسلام سے وابستہ بھی ہو جائیں یہ سوچ کر وہ رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آیئے ہم اور آپ ایک سمجھوتا کرلیں ایک سال یا کچھ دن آپ ہمارے خداؤں کی پرستش کر لیجئے پھر ہم ایک خدا کی عبادت کریں۔ جب رسولؐ اس پر راضی نہ ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا ایک دن صرف آپ ہمارے بتوں کی پرستش کر لیجئے اس کے بعد پھر ہم زندگی بھر آپ کے خدا کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اس سورہ میں اس پیش کش کا جواب دیا گیا۔

اگر ظاہری اور سطحی طور پر غور کیا جائے تو سیاسی اعتبار سے اگر رسولؐ صرف ایک دن کے لئے بتوں کی پرستش (معاذ اللہ) کر لیتے تو ایک کثیر جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتی تھی اور جماعت بھی وہ جماعت جو وقتاً فوقتاً رسول اسلام کو طرح طرح سے تکلیفیں اور اذیتیں پہنچایا کرتی تھی۔ اسلامی تبلیغ اور اسلامی قوانین کی طرح طرح سے بیخ کنی کی کوشش کیا کرتی تھی جس سے بہر حال تبلیغ میں ایک رخنہ پڑ جاتا تھا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو جاہل کفار کی یہ انتہائی سیاسی چال تھی اگر رسول اسلام ان کے کہنے پر بفرض محال عمل کر لیتے تو پورے نظام اسلام کی ہیئت بدل جاتی درحقیقت کفار اسلام کے سب سے بڑے اصول کو تڑوانا چاہتے تھے اور ایک نیا اصول منوانا چاہتے تھے۔

اسلام نے اگر سب سے پہلے جس اصول کی تبلیغ کی وہ توحید ہی تو تھا ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت ہی تو تھی۔ اگر رسولؐ اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی معاذ اللہ کافروں کے قول کو تسلیم کر لیتے تو اسلام کا سب سے پہلا اصول اور اہم اصول، یعنی کہ عبادت صرف خدائے واحد ہی کی ہو سکتی ہے غیر خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ شکستہ ہو جاتا اور پھر مقصود کبھی حاصل ہی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ پھر تو کافروں کے پاس اسلام کی رد میں یہ ایک بڑی دلیل ہو جاتی کہ غیر خدا کی بھی عبادت کی جا سکتی ہے لہٰذا جب غیر خدا کی عبادت ہو سکتی ہے تو پھر ہم ان کو کیوں ترک کریں جن کو سیکڑوں برس سے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آرہے ہیں۔ لہٰذا اسلام کا سب سے پہلا اور انتہائی اہم اصول ٹوٹ جاتا اس بنا پر رسول اسلامؐ نے صاف صاف انکار کر کے اپنے اصول کا تحفظ کیا۔ یہی اصول پروری ایک محافظ قانون کی زندگی میں اہم ترین چیز ہے جس میں پیغمبر اسلامؐ معراج کمال پر نظر آتے ہیں۔

❀❀❀

**(بقیہ۔۔۔۔اسلام کی فکر حاضر میں موزونیت)**

بے شک قرآن کا نصب العین اس مطالعۂ کائنات سے ضمنی طور پر وابستہ ہے کہ اسے اس ذریعہ سے ان کے پیدا کرنے والے یعنی خدا کی طرف ذہن کو لے جانا منظور ہے مگر دنیا کا وسیع سے وسیع پیمانہ پر اس مطالعہ میں مصروف ہو جانا جو اس دور کی خصوصیت ہے اسے اس مقصد سے جو قرآن کا نصب العین ہے بلا شبہ قریب کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ باخبر افراد محسوس کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ سائنس داں لوگ عموماً وجود خدا کے منکر ہوتے تھے مگر اب سائنس کی ترقی کے ساتھ ان میں وجود خدا کا عقیدہ بڑھتا جاتا ہے اور اس صورت میں کافی وجہ یہ سمجھنے کی ہے کہ جتنی سائنس اور زیادہ ترقی کرتی جائے گی اتنی اس منزل سے قریب آئے گی جس کے لیے قرآن نے مطالعۂ کائنات کی دعوت دی تھی۔

**تیسری خصوصیت**

موجودہ فکر کی تمدنی اور اجتماعی پہلوؤں میں حالات سے بے اطمینانی اور مختلف تہذیبی نظاموں کے تجربات میں مصروفیت ہے۔ سرمایہ داری کے خراب نتائج اور آثار کا آنکھوں کے سامنے آجانا۔ یہ افراط اور تفریط کے درمیان انسان کی دوڑ، ان تجربات کی ناکامی کے ساتھ فطری طور پر اس منزلِ اعتدال کے قریب لانے کا سبب ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ جہاں انسان کی انفرادی جدوجہد کی قیمت بھی ختم نہیں ہوتی اور آدمی دولت کا پجاری بھی نہیں بنتا۔ جہاں کسبِ مال ممدوح مگر جمعِ مال مذموم ہے اور جہاں غریب کی امداد کے ساتھ امتنان کا تصور جرم اور ادائے فرض کے ساتھ رضائے خداوندی کی نیت شرطِ لازم ہے۔

یہ ہے اسلام کے اقتصادی نظام کی خصوصیت جس کی تفصیل مختصر وقت میں ناممکن ہے۔

**چوتھی خصوصیت**

موجودہ دور میں نوع انسانی کے افراد کے درمیان امتیازات کے دور کرنے کا رجحان اور اخوّت و مساوات پیدا ہونے کی خواہش ہے اور اس اخوت و مساوات کا انتہائی مکمل درس اسلام نے دیا ہے۔ اس لیے دنیا کا موجودہ فکری رجحان اسے خواہ لاشعوری طور پر ہو اسلامی نظام سے قریب لا رہا ہے۔ ❀❀❀